Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

Landscape in the Essays of Dr Wazir Agha

ڈاکٹر وزیر آغا کے انشائیوں میں منظر نگاری

Dr. Ruqia Bano[1], Dr. Salma[2], Ms Menhaj Niaz[3]
[1]Lecturer in Urdu, Kalam Bibi International Institute, Bannu. [2]Lecturer in Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar, [3]Visiting Lecturer in Urdu, Women Campus UST, Bannu.
Correspondence Email*:*

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in
Y category.

Received: 22-01-2025
Accepted: 21-02-2025
Online: 01-03-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract

Dr. Wazir Agha, born on May 18, 1922, in Sargodha, Pakistan, was a prominent figure in various literary fields, including journalism, literature, satire, criticism, research, and essay writing. He authored numerous books, and his essay collection Pagdandi is particularly notable for its vivid descriptions. Dr. Agha's contributions to literature are unparalleled, and he is often regarded as a pioneer of the modern Urdu essay. His essays are characterized by their adherence to literary principles and their rich, picturesque style. He skillfully portrayed rural landscapes and natural scenery, as seen in his essay Pagdandi, where he captures the essence of village life and the challenges of navigating uncharted paths. Dr. Agha's descriptive prowess extends to various settings, whether depicting the beauty of nature or the cluttered interior of a room, as exemplified in his essay Betarteebi. He masterfully conveyed the nuances of disorder and nature's inherent beauty. His observations of the world around him, from the grandeur of natural landscapes to the simplicity of everyday life, are articulated with finesse, making his essays a profound reflection on human experiences and emotions.

Keywords:
Landscape, Essays, Wazir Agha, Literary, Principles, Inventor, Planning

ڈاکٹر وزیر آغا کی ولادت ۱۸ مئی ۱۹۲۲ کو پاکستان کے شہر سرگودھا میں ہوئی۔ وہ کئی حوالوں سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں جس میں صحافت، ادب، طنز و مزاح، تنقید، تحقیق اور انشائیہ نگاری قابل ذکر ہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس تحقیقی مضمون میں ان کے انشائیوں کو موضوع بنایا گیا ہے، جس میں ان کی انشائیوں کی کلیات "پگڈنڈی" میں منظر نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان کو انشائیہ کا موجد کہا جائے تو زیادہ غلط نہ ہو گا کیونکہ ان کے انشائیوں میں وہ

تمام ادبی اصول موجود ہیں جو ایک انشائیہ کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی وفات ۸ ستمبر ۲۰۱۰ کو لاہور میں ہوئی۔ ان کے انشائیوں کا اسلوب عمدہ اور منظر نگاری کی اپنی ایک مثال ہے۔ وزیر آغا کے انشائیوں میں مناظر فطرت کی عکاسی میں ان کا سب سے بڑا پہلو دیہات سے متعلق ہے۔ ان کے انشائیہ "پگ ڈنڈی" کی مثال ملاحظہ ہو:

> "پگ ڈنڈی اختیار کرنے میں بڑا لطف ہے۔ آپ کے سامنے زمین کا ایک طویل و عریض خِط ہے جس میں آپ اپنے قدموں سے ایک نئی راہ تراشتے ہیں۔ سڑک کو تو ایک دوسرے کے تعاقب میں بڑھتے ہوئے قدموں نے روند روند کر سیدھا کر دیا ہے؛ حتیٰ کہ جب آپ بھی اُن قدموں کے نشانات پر چلتے ہیں تو سڑک کی ہیئت میں کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوتی۔"(۱)

اور

> "درختوں سے خود بچا کر، چٹانوں سے کترا کر، کھیتوں کو چیر کر، ہر قسم کے نشیب و فراز سے ہم کنار ہوتے، بڑھتے چلے جاتی ہے۔"(۲)

ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "پگ ڈنڈی سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے دو(۲) باتوں کی ضرورت ہے۔ پہلی یہ کہ آپ آہستہ روی کی عادت ڈالیں اور بڑے مزے سے خراماں خراماں بڑھتے چلے جائیں۔ چاہیں تو کسی پتھر یا گھاس کے قطعے پر بیٹھ جائیں، چاہیں تو کسی گھنے چھتنار کے نیچے لیٹ کر سبز پتوں کی کائنات میں کھو جائیں، اور چاہیں تو کسی پھولوں بھری ڈھلوان میں گھٹنوں تک دھنس جائیں۔"(۳)

انشائیہ "پگ ڈنڈی" میں وزیر آغا نے گاؤں کی منظر نگاری کا ذکر عمدہ انداز میں کیا ہے کہ پگ ڈنڈی گاؤں میں رونما ہوتی ہے۔ اس پر چلتے ہوئے پھول، کانٹے، گھاس وغیرہ اور نشیب و فراز کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس پر وہی لوگ چل سکتے ہیں جو اس کے چلنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان ہی مراحل کو طے کر کے تب ہی تو انسان اپنے منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

جہاں تک ان کے انشائیوں میں منظر کشی کا تعلق ہے۔ تو وزیر آغا نے اس میں خوبصورت اور موثر منظر کشی کی ہے۔ ان کے انشائیے زندگی کی نئی پرتیں، نئے گوشے اور نئے زاویے پیش کرتے ہیں۔ ان کا ہر انشائیہ زندگی کے کسی گہرے مسئلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وزیر آغا نے ہر منظر کو ایک سلیقے سے بیان کیا ہے چاہے وہ منظر فطرت جمال کا ہو یا کوئی بند کمرے کا منظر ہو۔ اس سلسلے میں ان کا انشائیہ "بے ترتیبی" پر نظر ڈالتے ہیں جس میں انھوں نے اپنے کمرے کا منظر یوں بیان کیا ہے:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

> ”جب میں کمرے میں داخل ہوتے ہی دیکھتا ہوں کہ کرسیوں، میزوں، فرش اور آتش دان پر کتابیں، رسالے اور اخبارات بکھرے پڑے ہیں؛ ایک کرسی سر بہ سجود ہے اور دوسری میز سے مصروفِ گفتگو ہے؛ صوفے کا پردہ لٹک کر فرش کے قالین سے دست و گریباں ہے اور قالین کے شیر نوکِ پاکی زد پر ہیں؛ آتش داں میں بجھے ہوئے کوئلے، صحبتِ شب کے فراق میں مہر بہ لب ہیں اور سگریٹ کے ٹکڑے اور کیلے کے چھلکے، میز کے حسن میں اضافے کا موجب بن رہے ہیں۔“(۴)

ان کے انشائیوں میں تمام اقسام کی منظر نگاری اپنے لوازمات کے ساتھ جلوہ گر ہے مگر یہ بات بھی واضح رہے کہ انشائیہ میں اس طرح منظر نگاری ممکن نہیں ہوتی جس طرح دستان، ناول، افسانے اور مثنوی جیسی اصناف میں کی جاتی ہے کیونکہ انشائیہ میں اُس طرح کی باقاعدہ ترتیب اور ڈسپلن نہیں ہوتا جو ان اصناف کا وصف ہے۔ مناظر فطرت کا جمال ہر لمحے انسان کو اپنی حیرت زدہ اور پُر میسر آغوش میں لیے رکھتا ہے۔ وزیر آغا نے اپنے انشائیوں میں فطرت کے رنگوں کو سمویا ہے اور اس کے حسین مناظر کی عکاسی نئے اور منفرد انداز میں کی ہے۔ مثلاً ”بے ترتیبی“ میں مناظر فطرت یوں بیان کرتے ہیں:

> ”فطرت کا حُسن ان باتوں کا قطعاً محتاج نہیں۔ پاگل کر دینے والی جو خوبصورتی اور تشیلی کیفیت، ایک خود رو جنگل میں ہے، ایک صاف ستھرا بنا ٹھنا باغیچہ اُس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جنگل، ترتیب کا محتاج ہر گز نہیں؛ سارا حُسن اس کی بے ترتیبی میں ہے۔ پہاڑوں کے سلسلے، دریاؤں کے پیچ و خم سمندر کے کٹے پھٹے کنارے اور آسمان کے نیلگوں فرش پر بڑی بے پروائی سے بکھرے ہوئے اَن گنت ستارے، غرض کوئی چیز بھی ترتیب لے حصار میں نہیں۔“(۵)

ترتیب اور نظم و ضبط کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں مگر انشائیہ ”بے ترتیبی“ کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بے ترتیبی کے حسن کو وزیر آغا ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ وزیر آغا نے انشائیوں میں جو منظر نگاری کی ہے وہ جامد و ساکت نہیں بلکہ حرکت کرتے ہوئے محسوس ہوتی ہیں اور قاری اس منظر کے ایک ایک گوشے سے لطف اٹھاتا ہے چاہے وہ منظر جنگل کا ہو، باغ کا، پہاڑوں کا، دریاؤں کا، یا پھر نیلے آسمان کا ذکر ہو قاری کو ایک پُر مسرت دنیا میں لے جاتا ہے۔ وزیر آغا کے انشائیوں میں منظر نگاری کے بڑے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ ان کے انشائیوں کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جس شے، مقام یا وقت کا ذکر کرتے ہیں اس کا ہو بہو نقشہ کھینچتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور ہم ان کے مشاہدے سے لطف اُٹھا رہے ہیں۔ شام کا منظر یوں بیان کرتے ہیں:

> ”شام کا وقت ہے دن کی روشنی دھیرے دھیرے ماند پڑ رہی ہے اور شام کے دُھندلکے، کمال آہستگی سے اُفق مشرق سے اُٹھتے، خراماں خراماں آسمان کی وسعتوں میں پھیل رہے ہیں۔ ان دھندلکوں کی ہمراہی میں کچھ تھکے تھکے سُست رُو پرندے، نہ

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

جانے کب سے بساطِ فلک کو پار کرنے کی سعیِ لاحاصل میں مبتلا ہیں! ان کی منزل، درختوں کا وہ تاریک سا جھنڈ ہے جو گاؤں کے آخری کنارے پر ایک سیاہ دیوار کی طرح کھڑا ہے جس کے ساتھ ساتھ گاؤں کی ایک کچی سڑک ہے اور اُس سڑک پر ایک بیل گاڑی، ہلکی ہلکی موسیقی کو جنم دیتے، اس قدر آہستگی سے رواں ہے کہ گمان ہوتا ہے جیسے اُس کی کوئی منزل ہی نہیں۔ گاڑی بان، نیم غنودگی کے عالم بڑے سکون واِطمینان کے ساتھ بیل گاڑی میں نیم دراز صدیوں پُرانا کوئی گیت گنگنا رہا ہے چاروں طرف ایک گہرا سناٹا ہے جسے لرزتے ہوئے گیت نے اور بھی گہرا کر دیا ہے۔"(۶)

مزید کچھ یوں لکھتے ہیں:

"شام کا وقت ہے۔ کچھ تھکے تھکے سُست رو پرندے، نہ جانے کب سے بساطِ فلک کو پار کرنے کی سعیِ دوام میں مبتلا ہیں! تنہائی اور اُداسی میں لپٹے ہوئے گاؤں پر ہولے ہولے سُرمئی دُھندلکے مسلط ہو رہے ہیں۔"(۷)

وزیر آغا کے ہاں ایسے مناظر بھی ملتے ہیں جو آنے والے وقت کا پتہ بتاتے ہیں۔ ان کی منظر کشی کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم کی منظر نگاری میں وہ کائناتی نظام، دوسری قسم میں ظاہری فطرت اور تیسری قسم میں انسانی فطرت واحساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وزیر آغا کے انشائیوں میں تمام اقسام کی منظر کشی فنی کمال کے ساتھ موجود ہے۔ وہ اپنے انشائیہ "کچھ علالت کی حمایت میں" خود پر بیتے ہوئے حالات کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی بخار اُترنے کے بعد جو منظر دیکھاتے ہیں وہ بھی ہنر مندی کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"قصہ یہ ہے کہ پرسوں شام مجھ پر یکایک کپکپی سی طاری ہوئی پھر مجھے لگا جیسے میں قطب شمالی پر کھڑا، زمین کو اپنے محور پر گھومتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ایک لحاف، دو کمبل اور چیختے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی بھی جسم ورُوح کی کپکپاہٹ کو دور نہ کر سکی اور میں اُردو شاعری کے روایتی عاشق کی طرح پہلی منزل پر لڑکھڑانے لگا۔ لیکن اب پھر یکایک جسم کی پہنائیوں سے حرارت کی ایک تند و تیز لہر اُٹھی اور میں نے اپنے آپ کو جہنم زار میں سرگرداں پایا جہاں سورج شعلے، سرخ سرخ زبانیں نکالے، افریقہ کے بونوں کی طرح میرے گِرد ناچ رہے تھے۔ نہ جانے حرارت کی لہریں کتنی بار، کتنی دیر تک، مجھ سے ٹکراتی رہیں البتہ جب میں ہوش میں آیا تو رات بیت چکی تھی، بخار اتر گیا تھا اور کمرے میں ایک عجیب سا سکوت طاری تھا۔۔۔ ہر شے روشن اور ڈھلی ڈھلی نظر آ رہی تھی؛ بستر کے قریب ایک چھوٹی سی تپائی پر دوا کی چند شیشیاں پڑی تھی۔۔۔ سرخ، پیلی اور سفید۔۔۔ گویا قوس قزح، میز پر اُتر آئی تھی۔۔۔ تپائی کے اوپر کھلی ہوئی کھڑکی میں سے گہرا نیلا آسماں نظر آ رہا تھا جہاں بادلوں کے آوارہ ٹکڑے، سنہری بجروں کی طرح رواں دواں تھے۔۔۔ دور تک کھیتوں کا لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور اِدھر انگور کی ایک بیل، کھڑکی کے باہر سے جھک جھک کر کمرے میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور بیل پر چند چڑیاں دھیمے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

سُروں میں گا رہی تھیں۔۔۔ساری فضا میں، خنشدگی، طراوت، نور اور پاکیزگی کی زندگی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ جسم کے ساتھ ساتھ میری رُوح بھی کِھل اُٹھی تھی۔"(۸)

جو بھی نظارہ ہو وزیر آغا اس کو بے معنی قرار دینے کے حق میں نہیں، ان کے انشائیوں میں ہر قسم کی منظر نگاری فنی کمال کے ساتھ موجودہ ہے وزیر آغا کے انشائیوں میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ان کو اردگرد کی ہر چیز سے محبت اور لگاؤ ہے جس کو دیکھنے کے بعد ان کے ذہنوں پر کوئی اچھا اور خوشگوار تاثر رہ جاتا ہے اور مسکراہٹ کا باعث بنتا ہے انھوں نے اپنے انشائیوں میں مختلف مناظر بیان کیے ہیں۔"قطب مینار" پر چڑھنے کا منظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"قطب مینار کی کئی منزل ہیں اور ہر منزل پر زندگی اور کائنات کی مختلف تصویر، آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ میں جب پہلی منزل پر پہنچا تو سڑک پر چلتے انسان، کیڑوں مکوڑوں کی طرح رینگتے دکھائی دیے؛ بڑے بڑے درخت چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں تبدیل ہوگئے؛ اور عمارتیں پچکی ہوئی سی نظر آنے لگیں۔ دوسری منزل پر انسان قطعاً غائب ہوگئے؛ جھاڑیاں، ننھے ننھے نقطوں کی صورت میں تبدیل ہوگئیں؛ اور عمارتوں کے پیٹ زمین کے ساتھ لگ گئے۔ تیسری منزل پر پہنچا تو اُفق بھی میرے ساتھ گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوگیا؛ زمین اُبھری اور ابھر کر کشادہ ہوگئی؛ فاصلے، سمٹے اور سمٹ کر قریب آگئے۔۔۔ اور جب میں ہر منزل پر پہنچا تو زمین کے سارے نشیب و فراز برابر ہو چکے تھے؛ اُوپر آسماں کی بے پناہ وسعتیں تھیں؛ نیچے زمین کا کشادہ سینہ تھا۔"(۹)

جو بھی منظر ہو وزیر آغا اس کو بے معنی قرار دینے کے حق میں نہیں وہ زندگی کے ایک ایک پہلو پر غور و فکر کرکے اُسے انسانی زندگی کی کئی بنیادی حقیقتوں کے لیے آئینہ بنادیتے ہیں اور جب یہ آئینہ ان کے نشائیوں میں منظرکشی کرتا ہے تو اس سے نکلنے والی شعاعیں ہر چیز کو روشن کردیتی ہیں اور اپنے ماحول کا جائزہ لے کر اس عیاں ہونے والی حقیقتوں کا بیان اپنے نظروں میں پیش کردیتے ہیں۔ وزیر آغا نے معاشرے میں پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں کو اپنی نظروں سے دیکھا اور اُن کا اظہار اپنے انشائیوں میں اس انداز سے کیا کہ ایک عام انسان کی نظر ان خامیوں اور خوبیوں پر کُھل جاتا ہے۔ ان کے انشائیے سبق آموز ہیں وہ زندگی کے کسی گہرے واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہے مگر ساتھ ہی اس میں طنز و مزاح بھی زیادہ نظر آتی ہے۔ اس نے سڑک اور فٹ پاتھ کے فرق پر ایک سرسری نظر ڈالی ہیں۔ فٹ پاتھ پر چہل قدمی، حسینہ فلک کے دیدار اور روشن شام سے ملاقات کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

انشائیہ "فٹ پاتھ" میں وزیر آغا لکھتے ہیں:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

> ”جب سُرخ ساڑھی میں لپٹی شام، آسماں کے بام ودر سے لحظہ بھر کے لیے جھانکتی ہے تو میں چھڑی ہاتھ میں لیے، گنجان سڑک سے چمٹے فٹ پاتھ پر چہل قدمی کے لیے اس توقع کے ساتھ نکل آتا ہوں کہ شاید میں آج اُس حسینہ فلک کے درشن کر سکوں؛ لیکن آسماں سے آنکھ مچولی کھیلتے دیواروں کے اِس شہر میں میری نظریں اُس تک پہنچ ہی نہیں پاتیں۔ اس کے بجائے میں اُس سیاہ پوش، بپھرے ہوئے جمِ غفیر کا نظارہ کر کے لوٹ آتا ہوں جو میرے دائیں ہاتھ بہتی ہوئی سڑک پر سائیکلوں، تانگوں، موٹروں، سکوٹروں اور رکشاؤں کی صورت میں رواں دواں ہے۔ اُس وقت مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کسی تیز رفتار پہاڑی دریا کے کنارے یا متلاطم سمندر میں گھرے کسی خاموش اور تنہا جزیرے میں کھڑا، سرکش موجوں کا نظارہ کر رہا ہوں۔ یہ منظر اُس محرومی کی بدرجہ اتم تلافی کر دیتا ہے جو شام کے درشن نہ ہو سکنے کے باعث میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔“(۱۰)

ڈاکٹر وزیر آغا کے اسلوب کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے انشائیہ کے مزاج، کردار اور اسلوب نگارش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح اپنی پیاسی روح کو انشائیہ کے ٹھنڈے، پانی کی جھیلوں سے سیر اب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے انشائیوں میں ہم فطرت انسانی کی تاریخی، سماجی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی پس منظر دیکھتے ہیں۔ انشائیہ ”آگ کا تپنا“ میں آگ کی گرمی اور حرارت کا منظر اس طرح پیش کیا ہے:

> ”جب لکڑیوں کی یہ چتا جلنے لگتی ہے اور اُن کی سخت اور کرخت جلد کا آگ، دُھویں اور راکھ کے مختلف مراحل سے گزرنے کا عمل شروع کر دیتی ہے، میں جیبوں سے اپنے دونوں ہاتھ نکال کر آگ کے سامنے اس انداز سے پھیلا دیتا ہوں گویا کسی آتشیں سیل کو روکنے کی کوشش میں ہوں۔ شعلوں کی حرارت، دھیرے دھیرے ہاتھوں سے ٹکراتے، کسی گرم روح کی طرح، میری رگ رگ میں اُترتے چلے جاتی ہے۔؛ حتیٰ کہ میرے سینے میں بھی ایک ننھی سی قندیل روشن ہو جاتی ہے۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آتش لرزاں سے اکتساب نور کر لیا ہے اور خود بھی اس پر جلتی اور تڑپتی ہوئی زندگی کا ایک جزو لانیفک بن گیا ہوں جیسے میری بے حس روح کا ہر تار، میرے منجمد جسم کا ہر عضو پگھل کر اس سیل آتشیں میں ضم ہو گیا ہے۔“(۱۱)

موسم اور اس کے اثرات کے ساتھ، بارش، ٹھنڈک اور اس کو کم کرنے کے لوازمات یعنی انگیٹھی وغیرہ کے بارے میں وہ کچھ یوں منظر کشی کرتے ہیں:

> ”انگیٹھی اور میں! میرے احساسات کی صورت اب تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ باہر کائنات میں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے، آسمان ایک تاریک ساخول بن گیا ہے اور بادل رِم جھم برستے، گزرتے چلے جا رہے ہیں۔ میرے کمرے کی کھڑکی کے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

> عین باہر پیپل کا درخت، بالکل بھیگ گیا ہے۔ اُس کی ٹہنیاں گیلی اور بوجھل ہو کر ڈھلک گئی ہیں لیکن کمرے کے اندر میں نے خود کو انگیٹھی کی گرم و گداز آغوش کے سپرد کر دیا ہے۔"(۱۲)

ایک انشائیہ نگار محض اپنے عمدہ اسلوب کی بدولت ہی کائنات میں ہر سو بکھرے رنگوں کو ایک نئی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ فطرت کے حسن کو لفظوں پر عبور رکھنے اور اپنے اچھے اسلوب کی بنا پر ہی اپنے قاری تک پہنچ جاتا ہے۔ خیالات کی گہرائی اور قوت، لفظوں کا درست اور موقع و محل کے مطابق استعمال ہی عمدہ اسلوب کو جنم دیتے ہیں۔ جب ہم وزیر آغا کے انشائیوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ منفرد، دلکش اور بہترین اسلوب کے مالک ہیں ان کے انشائیوں میں تہذیب، شائستگی اور علم و دوستی کا عنصر پایا جاتا ہے وزیر آغا نے اپنے انشائیوں میں جگہ جگہ مختلف منظر کشی کی وہ جب بھی کسی منظر کو بیان کرتا ہے تو قاری اُسے یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس منظر کو حقیقت میں دیکھ رہا ہے۔ شام کا منظر یوں خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہیں:

> "شام کا وقت ہے لیکن ابھی شام کا ستارہ نمودار نہیں ہوا۔ رات کے پنچھی بھی غائب ہیں۔ آسماں پر کوئی سُست رو آوارہ حال لکہ ابر بھی موجود نہیں۔ پورا آسمان ایک سفید رنگ مچھر دانی کی طرح مجھ پر جھک آیا ہے۔ میرے پاؤں کے نیچے سبز اور مٹیالے رنگوں والی دھرتی، ایک بستر کی طرح ہے جس کے واسط میں ایک سیاہ نقطہ چمک رہا ہے۔ یہ سیاہ نقطہ میں خود ہوں۔ زمین و آسماں کے ملتے ہوئے ہونٹوں کی لکیر نے میرے چاروں طرف ایک طلسمیں دائرہ کھینچ دیا ہے، اور جس طرح اندھیرے میں موم بتی جلادی جائے تو وہ اپنے گرد، از خود نور کا ایک دائرہ بنالیتی ہے، بالکل اُسی طرح میں نے بھی اپنے وجود کی روشنی سے اپنے گرد ہست کا ایک دائرہ سا تعمیر کر لیا ہے۔"(۱۳)

ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ موضوعات کی تلاش میں اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتے بلکہ اپنے آس پاس ان واقعات اور معاملات کو انشائیوں میں ڈھالتے ہیں جو ہماری نظروں کے بالکل سامنے ہوتے ہیں۔ ان کے انشائیے صرف رسمی حقیقت نگاری، تلخ و ترش حقائق کا مرقع نہیں ہیں بلکہ ان میں ہمارے معاشرے کی سچائی، شعور اور ہماری سادگی کو ہڑپ کرنے والی فکر کا بیان بھی موجود ہے۔ "چوری سے یاری تک" کے تمام انشائیوں میں وہ حقیقت کے متلاشی اور مظاہر فطرت کا عرفان حاصل کرنے کا آرزو مند دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے انشائیوں میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ، زندگی کا فلسفہ، نئی اور پرانی اقدار کا تقابلی جائزہ، اقتصادی مسائل سے آگاہی، تہذیبی سلسلوں کا شعور، معتدل انداز بیان، تشبیہات کا استعمال اور ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی چاشنی سبھی کچھ ملتا ہے۔ جو ذہن کو سوچ کا مواد مہیا کرتا ہے اور تازگی اور راحت کا باعث بنتا ہے۔ اُن کے انشائیوں میں ایسی تازگی ہے کہ دن بھر کا تھکا دینے والا کام کاج کے بعد ذہن میں آسودگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اُن کے انشائیے ہمارے موجودہ مسائل کی ایسی یک رخی تصویر

ہیں جن کا دوسرا رخ پڑھنے والا خود ڈھونڈ سکتا ہے اور ایسا کرنے میں مسرت بھی محسوس کرتا ہے۔

ان کے انشائیے مخفی معنی پر مبنی ہیں جو ذہن کو سوچ کا مواد مہیا کرتی ہے۔وزیر آغا نے خوبصورت لفظوں اور مناسب فقروں کو اکٹھا کر کے کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری ان کے سحر میں کھو جاتا ہے۔وزیر آغا کے انشائیوں میں زیادہ تر فطرت کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں انھوں نے اپنے انشائیوں میں مناظر فطرت کے مخفی گوشوں کو بے نقاب کیا ہے ان کے ہاں فطرت ہر دم احساس آزادی سے لہلہاتے اور سرشار ہوتے ہوئے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ فطرت کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے ہیں وہ فطرت کا پردہ یک دم چاک نہیں کرتے بلکہ ایک دلکش انداز میں ہولے ہولے سے گھونٹ اُٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ان کا فطرت سے گہرا تعلق ہے انھوں نے آنکھیں کھول کر ان کے مناظر کا مشاہدہ کیا ہے اور یوں اپنے انشائیوں میں حقیقی مناظر کا ذکر کیا ہے۔بارش برسنے کے بعد جو منظر ہوتا ہے وہ یوں بیان کرتا ہے:

> ”آسماں کی نیلاہٹیں، اُس گہری جھیل کی طرح تھیں جس پر ایک سحر طراز روشنی پھیل رہی ہو۔۔۔ فضا میں گرد کا نام ونشاں تک نہیں تھا اور روشنی کا سیلاب تھا کہ ہر شے میں سرایت کرتے ہوئے، بڑھتے چلا آرہا تھا۔بس پہلا احساس تو اُس سحر طراز روشنی کے باوجود کا تھا جس کے پر تو سے زمیں آسماں، اڑتے ہوئے پرندے، نسیم سحر کے جھونکوں پر سر دُھنتے ہوئے درخت، حدِ نظر تک پھیلے ہوئے گیت اور ان کھیتوں سے آگے ننگی سیاہ پہاڑوں کا ایک بکھرا ہوا سلسلہ جگمگا اُٹھا تھا۔۔۔درختوں کے پتے چمکتے ہوئے نگینوں کی طرح، اپنے گردو پیش کو روشن کر رہے تھے۔۔۔آسماں پر اُڑتی ہوئی چڑیوں کا ایک جُھرمٹ، قوسِ قزح کی طرح رنگین ہو گیا تھا۔۔۔اور گاؤں کے کنویں پر پانی بھرتی لڑکیوں کے رخسار، گلابی ہو رہے تھے۔۔۔ایسی عجیب روشنی، میں نے آج سے پہلے نہیں دیکھی تھی جو اشیا کے ظاہر ہی کو منور نہیں کر رہی تھی، اُن کے باطن تک میں سرایت کر گئی تھی۔۔۔ایسا دِل نواز منظر کیسے حقیقی ہو سکتا تھا......مجھے یوں محسوس ہوا گویا حقیقت کہیں اور ہے۔۔۔اور یہ ماحول تو صرف آئینہ ہے جس میں حقیقت کا عکس پڑرہا ہے۔“(۱۴)

وزیر آغا نے اپنے انشائیہ ”بارش کے بعد“ میں بارش کا حسین وخوشنما منظر بیان کیا ہے جس میں کھیت، درخت، پہاڑ حتیٰ کے ہر چیز دھلی اور نکھری نکھری نظر آتی ہے ہر پھول، بوٹا اور پتا خوشی سے لہراتا ہے۔آسماں پر پرندوں کا چہچہانا، اُڑنا۔قدرت کے ان پُر کیف نظاروں کو وزیر آغا نے بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔وزیر آغا نے زندگی کا زیادہ عرصہ گاؤں میں گزارا ہے اس لیے وہ فطرت کے زیادہ قریب ہیں۔ وہ قدرت کے پیدا کردہ حسین مناظر کو غور سے دیکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے انشائیوں میں فطرت کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہو کر رہتی ہے۔وزیر آغا فطرتاً خوبصورتی کے شیدائی ہیں۔جب وہ کسی حسین شے یا حسین

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

منظر کو دیکھتے تو ان کے احساسات و جذبات میں ہلچل پیدا ہو جاتی اور اس کی روح کی تاروں میں حرکت پیدا ہوتی۔ وہ خود اپنے بارے میں یوں کہتے ہیں:

> ”میں فطرتاًخوبصورتی کا شیدائی ہوں (شاید ہم فطرتاًخوبصورتی کے شیدائی ہیں)؛ ہر حسین منظر یا شے، میرے احساسات میں ہلچل اور جذبات میں تموج پیدا کر دیتی ہے؛ روح کی تار مرتعش ہو جاتے ہیں؛ اور مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے اس سے قبل میری زندگی ادھوری اور ساکن تھی اور اب اس لازوال منظر کے روبرو، میں اپنی تکمیل کی طرف گامزن ہو گیا ہوں۔“(۱۵)

وزیر آغا نے ہر قسم کے موضوع پر انشائیے تحریر کیے ہیں جس طرح وہ اپنے موضوع کے منفرد پہلو سامنے لا کر قاری کو متاثر کر دیتے ہیں اسی طرح موضوعات کے انتخاب میں بھی وہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ انشائیہ کے لیے اسلوب بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک انشائیہ نگار محض اپنے عمدہ اسلوب کی بدولت ہی کائنات میں ہر سو بکھرے رنگوں کو ایک نئی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ فطرت کے حسن کو لفظوں اور اچھے اسلوب کی بنا پر قاری تک پہنچاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کے انشائیہ ”کچھ خوبصورتی کے بارے میں“ کی مثال ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے منظر فطرت کو یوں بیان کیا ہے:

> ”ایک صبح اچانک پہلگام جا پہنچا تھا تو میرے سامنے پہاڑ، وادی، جنگل اور ندیوں کا ملا جلا ایک ایسا دِلرُبا منظر آ گیا تھا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ مجھے اُس وقت محسوس ہوا تھا جیسے اُس عظیم اور حیرت انگیز منظر کے سامنے ہم سب بے جاں کھلونے ہیں۔۔۔ حقیر اور بے کار سے مٹی کے تودے ہیں اور پھر جب میری نظریں آہستہ آہستہ وادی کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے اُوپر اٹھتے، برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچی تھیں تو مجھے محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں کوئی بے جاں کھلونا نہیں، ایک زندہ جاوید حقیقت ہوں اور یہ ہوش رُبا منظر محض اس لیے میرے پیشِ نظر ہے کہ میں اس پر قدم رکھ کر آکاش تک اُونچا ہو جاؤں اور ستاروں سے ہم کلام ہونے لگوں۔ اسی طرح جوہو کی وہ حسین شام بھی میرے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہے گی جب لچکتی، تھرکتی اور بل کھاتی لہروں میں یکایک ایک تموج سا پیدا ہو گیا تھا۔۔۔ شاید برسات کے کسی آوارہ بادل نے انھیں آہستگی سے چھیڑ دیا تھا کہ لہریں سرکش ہو گئی تھیں، سمندر بپھر گیا تھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ساحل پر جھکے ناریل کے درخت بھی موجوں کے زد پر آ گئے تھے۔“(۱۶)

وزیر آغا کا گاؤں سے گہرا رشتہ ہے۔ ان کا بچپن وزیر کوٹ میں گزرا، اُنہوں نے زیادہ تر تعلیم دیہی علاقوں میں حاصل کی ہے تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف شہروں کا رخ بھی کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ شہر میں رہنے کے باوجود دیہات سے اپنے جڑے ہوئے رشتے کو کبھی نہ بھولا۔ وزیر آغا فطرت کے شیدائی ہیں۔ اُن کی فنی اور شخصی زندگی میں ”دیہات“ اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ دیہاتی

زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ شہر کی محفلوں میں تنہائی ہے جبکہ دیہات کی تنہائی میں بھی فطرت کی جلوہ گری کی وجہ سے انسان اکیلا نہیں ہے۔ دیہات ایک ایسی محفل ہے جہاں ہر انسان فطرت کے قریب ہے اور اُس سے براہ راست ہم کلام ہو سکتا ہے۔ اُن کے لئے یہ احساس خاصہ تلخ ہے کہ فطرت اور انسان کے درمیان شہروں نے اونچی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ انہوں نے فطرت کے بھید سے آگاہی کا ایک بڑا وسیلہ دیہات کو بنایا ہے۔ وزیر آغا فطرت کی تصویر کشی اور دلفریبی کی عکاسی یوں کرتے ہیں کہ قاری پر بوجھ نہ بنے بلکہ وہ فطرت کا عاشق بن کر ان کی تحریر کے حسن میں کھو جائے۔ وہ فصلوں، پھلوں، پھولوں اور مناظر فطرت کی تصویر کشی اتنے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں، اس کے انوکھے پہلو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری خود بخود دل چسپی لینے لگتا ہے وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ اس دھرتی اس زمین اور یہاں کی ہر چیز سے اسکا نہایت مضبوط اور قریبی تعلق ہے۔ مناظر فطرت کے حوالے سے ان کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "گاؤں میں رہتے ہوئے مجھے صبح شام ہم کلامی کے ہزاروں مواقع حاصل ہوتے تھے مثلاً صبح جب سورج نکلتا اور گندم کے کھیتوں میں اوس کے کروڑوں سبک اندام قطرے یکایک مہک اٹھتے تو مجھے ہر قطرے میں اپنی ہی شکل دکھائی دیتی اور یوں خود سے ملاقات کی صورت از خود پیدا ہو جاتی یا جب اندھیری رات میں آسمان کی سٹیج پر لاکھوں ستارے موتیے کے پھولوں کی خوشبو بکھیرتے تو مجھے اس خوشبو میں اپنے ہی جسم کی باس کا گمان ہوتا اور یوں خود سے ہم کلام ہونے کی ایک اور صورت پیدا ہو جاتی۔"(۱۷)

مندرجہ بالا پیراگراف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مظاہر قدرت اور مناظر فطرت ان کے انشائیہ کی بنیاد ہیں اور ان کی نگاہ میں انشائیہ کائنات کا دوسرا روپ ہے۔ وزیر آغا کے انشائیوں کو پڑھ کر یہ بات با آسانی سامنے آتی ہے کہ وہ فطرت کے بہت بڑے شیدائی اور پُرستار ہیں، وہ فطرت کے ہر منظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ ان مناظر میں ایسے رنگ بھرتے ہیں کہ عام سا منظر بھی خاص لگنے لگتا ہے۔ انشائیہ "دُھند" میں مناظر کا بیان دیکھیے:

> "جب دُھند کا کوئی سفید آنچل چیڑ کی شاخوں میں اٹک جاتا ہے تو چیڑ کی ٹہنیوں سے موتیوں جیسے قطرے ایک ہلکی سی جنکار کے ساتھ میرے شانوں پر آگرتے ہیں۔"(۱۸)

وزیر آغا نے ایک فوٹو گرافر کی طرح اپنے گردوپیش کے مناظر کی تصویریں کھینچی ہیں۔ انہوں نے دیہات کے سادہ حُسن، دلکش قدرتی مناظر مثلاً سرسبز کھیت، ہرے بھرے سایہ دار درخت، کھیتوں میں بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیوں، آسمان کی کھلی فضا میں

بادلوں کے آوارہ ٹکڑے تیرنے، اکادکا ابرے پارے گھٹائیں اور بارش میں بھیگے ہوئے درختوں اور پرندوں کا منظر بہترین اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ انھوں نے گاؤں میں برسات کے سماں کا نقشہ خوبصورت اور اچھے انداز سے یوں کھینچا ہے:

> "بادل اور آسماں اور بارش اور بارش میں بھیگے ہوئے درختوں کے ذریعے ایک مجسم کیفیت بن کر، مجھ پر چھا گیا تھا۔ چاروں طرف مکمل سناٹا تھا۔۔۔کوئی انسان دُور دُور تک موجود نہیں تھا۔۔۔اُوپر آسماں تھا جس میں گول مٹول سے اَبرے، بچوں کی طرح کھیل رہے تھے۔۔۔نیچے ایک سرسبز و شاداب دھرتی تھی جس پر پرندے اور کیڑے اور شہد کی مکھیاں اور بھونرے، کبھی نہ ختم ہونے والی ایک گرم گہری گفتگو میں مصروف تھے۔"(۱۹)

اس پیراگراف میں وزیر آغا نے عمدہ منظر کشی کی ہے لیکن یہاں انھوں نے تنہائی پر بات کی ہے۔ انھوں نے خود پر گزرے ہوئے وقت جو اُس نے تنہائی میں گزارا ہے اس کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دے کر بیان کیا ہے۔

وزیر آغا کا انشائیہ ان کی شخصیت کا عکاس ہے۔ ان کی طبیعت دلآویزی، نرمی، شگفتگی، رچاؤ اور شائستگی کا عنصر نمایاں ہے۔ موسم بہار ان کو بہت زیادہ پسند تھا۔ یقیناً بسنت ایک نہایت منفرد اور خوشگوار موسم ہے۔ کون ہوگا؟ جو بسنت کے موسم کو پسند نہیں کرے گا۔ سب لوگوں کو اس کی آمد کا شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ موسم بہار میں جب وزیر آغا کو جذبہ غالب آجاتا ہے تو ان کا فن و فکر، بند قُبا کو بھی کھولتا نظر آتا ہے۔ ایسے موقع پر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہے۔ وہ ایسے منظر کو بیان کئے بغیر خاموش نہیں رہ سکتے۔ انشائیہ "بسنت" میں وزیر آغا سرسوں کے پھولوں کی پیلاہٹ کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

> "بسنت کی پیلاہٹ، کھلتے ہوئے پھولوں سے پیدا ہوتی ہے۔ بسنت اور سرسوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سردی کی یلغار کے سامنے سارے پھول کھیت ہو جاتے ہیں مگر سرسوں پھولتے چلے جاتی ہے۔ بس یہی کھلتا، لہراتا ہوا سرسوں کا رنگ، بسنت کا اصل رنگ ہے۔ آپ شہر کی فصیلوں سے ایک آدھ کوس بھی باہر نکل جائیں تو آپ کو زمین پر سرسوں کے چوکور ٹکڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر آپ جیسے جیسے آگے بڑھتے ہیں نہ صرف اُن ٹکڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے بلکہ بڑے ٹکڑے، چھوٹے ٹکڑوں کی جگہ لینے لگتے ہیں حتیٰ کہ تمام چھوٹے بڑے ٹکڑے ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں اور حدِ نظر تک سرسوں کا ایک سمندر دِکھائی دینے لگتا ہے۔"(۲۰)

بسنت کے موسم میں وزیر آغا کا جذبہ زرد رنگ کی تتلی بن کر ہوا میں تیرتا دکھائی دیتا ہے اور انھوں نے اس لمحے کی وضاحت خوبصورت انداز میں کی ہے اس لمحے کو آغا نے گلاب کے پھول کی مانند کوٹ کے کالر میں سجا رکھا ہے۔ وزیر آغا موضوع کو اپنے اوپر غالب ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ قاری کو موضوع کی حقیقت سے روشناس کرتے ہیں اور ان کی اس حقیقت پر قاری

حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ انشائیہ نگاری کی حیثیت سے وزیر آغا موضوع کی تازہ کاری کو اتنی اہمیت نہیں دیتے اسلوب کی تازگی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ اکثر ایسا انداز اختیار کرتے ہیں، کہ کہیں علامت، کہیں تشبیہ اور کہیں استعارے کا سہارا لیتے ہیں اور کہیں ڈرامائی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جیسے انشائیہ "بسنت" میں وزیر آغا نے پتنگ کو تتلی سے خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ مثلاً

> "بسنت بھی ایک کرمک ہی ہے جس کے پَر نکل آئے ہوں اور جو اب زرد رنگ کی تتلی بن کر ہوا میں اُڑتا پھر رہا ہو، مگر میں کسی ایک تتلی کا ذکر نہیں کر رہا، بسنت کے موقع پر جب آسماں میں ہزاروں پتنگ تھرک رہے ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے تتلیاں اُڑ رہی ہوں یا جیسے کسی نے آسماں کے چہرے پر رنگ کا چھینٹا مار دیا ہو۔"(۲۱)

وزیر آغا نے اپنی نظر خارج میں پھیلی ہوئی کشادہ کائنات پر مذکور رکھی۔ وزیر آغا کو قدرت کے سبھی مناظر سے بہت پیار تھا۔ پہاڑ، دریا، سمندر، حسین وادیاں، خوبصورت پھول، پھلوں سے بھری ڈالیاں، پرندوں کا چہچہانا، سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی، فطرت کے وہ خوبصورت رنگ ہیں جن کا ذکر وزیر آغا نے اپنی انشائیوں میں سلیقہ مندی سے کیا ہے۔ وزیر آغا کی فکر ایسی گہرائی میں جھانکتے ہوئے نظر آتی ہے۔ جس کا نقط ذات باری تعالیٰ ہے اور اس نقطے کا پھیلاؤ یہ کائنات ہے۔ انشائیہ "نروان" میں مناظر فطرت کا وزیر آغا یوں جائزہ پیش کرتے ہیں:

> "برسات کے آخری دن تھے۔ میں باہر نکلا تو گرم دھوپ کی بھیگی ہوئی چادر، ہر طرف تنی ہوئی تھی اور اُس چادر میں ملفوف پرندوں اور درختوں اور انسانوں کے پیکر بڑے والہانہ انداز میں جھوم رہے تھے۔ چاروں طرف رنگوں کا جوالا پھوٹ بہا تھا۔ کالے رنگ کی پہاڑیاں زمین میں نصب تھیں اور نیلا آسماں، سبز دھرتی پر جھکا ہوا تھا۔ ایک طویل مدت کی یک رنگی کے بعد مجھے ہولی کے رنگوں کا سا سماں دکھائی دیا تو میری آنکھیں اُس سارے منظر کو ایک مشروب کی طرح پینے لگیں۔"(۲۲)

وزیر آغا کے انشائیوں میں منظر نگاری کی ایک دنیا آباد ہے۔ ان کی منظر کشی سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کا بطور خاص فطرت سے رابطہ واجبی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ وہ فطرت کے ہر منظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور منظر کشی کرتے ہوئے ان مناظر میں ایسے رنگ بھرتے ہیں کہ ایک عام سا منظر بھی فطرت کی بھرپور نمائندگی کرنے لگتا ہے۔

حوالہ جات

۱. وزیر آغا، ڈاکٹر، پگ ڈنڈی، مشمولہ خیال پارے، مکتبہ نر دبان سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء ص ۲۹
۲. ایضاً، ص ۳۰

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

۳. ایضاً، ص ۳۱

۴. وزیر آغا، ڈاکٹر، بے ترتیبی، مشمولہ خیال پارے، ص ۳۴

۵. ایضاً، ص ۳۶

۶. وزیر آغا، ڈاکٹر، سست روی، مشمولہ خیال پارے، ص ۴۵

۷. ایضاص ۴۸

۸. وزیر آغا، ڈاکٹر، کچھ علالت کے بارے میں، مشمولہ خیال پارے، ص ۶۷

۹. وزیر آغا، ڈاکٹر، قطب مینار، مشمولہ خیال پارے، ص ۷۴

۱۰. وزیر آغا، ڈاکٹر، انشائیہ فٹ پاتھ، مشمولہ چوری سے یاری تک، ص ۱۸۵

۱۱. وزیر آغا، ڈاکٹر، آگ تاپنا، مشمولہ خیال پارے، ص ۳۸-۳۹

۱۲. ایضاً، ص ۳۹

۱۳. وزیر آغا، ڈاکٹر، ہجرت، مشمولہ دوسرا کنارہ، مکتبۂ نردبان، سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء ص ۲۴

۱۴. وزیر آغا، ڈاکٹر، بارش کے بعد، مشمولہ خیال پارے، مکتبۂ سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء ص ۸۶

۱۵. وزیر آغا، ڈاکٹر، کچھ خوبصورتی کے بارے میں، مشمولہ خیال پارے،

۱۶. ایضاً، ص ۹۱

۱۷. احسان اکبر، پروفیسر، "اسلوب اور اسالیب نثر اردو" علام اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۱ء ص ۷

۱۸. وزیر آغا، ڈاکٹر، دھند، مشمولہ خیال پارے، مکتبۂ نردبان سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء ص ۱۰۹

۱۹. وزیر آغا، ڈاکٹر، اکلاپا اور تنہائی، مشمولہ دوسرا کنارہ، مکتبہ سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء، ص ۲۵۵

۲۰. وزیر آغا، ڈاکٹر، بسنت، مشمولہ دوسرا کنارہ، مکتبۂ نردبان سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء ص ۲۲۲

۲۱. ایضاً ص ۲۲۳

۲۲. وزیر آغا، ڈاکٹر، نروان، مشمولہ سمندر اگر میرے اندر گرے، مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۵